Regd S: No 1411

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پوسٹ بکس نمبر ۷۳۹۴

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۴۱۱

مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کا

روزنامہ

المصلح

فی پرچہ ۱ر

۲۸ر جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

ایڈیٹر: عبدالقادر بی۔ اے

جلد ۷ | ۳ تبلیغ ۱۳۳۳ھش ۳ر فروری ۱۹۵۴ء | نمبر ۲۶

امریکی امداد کے متعلق بھارت یا کسی اور ملک کا شور و غوغا ہمارے عزم کو متزلزل نہیں کر سکتا

اقتصادی اور غذائی صورت حال اب پہلے سے بہت بہتر ہو چکی ہے

ــــ وزیر اعظم محمد علی کی نشری تقریر ــــ

کراچی ۲ر فروری۔ وزیر اعظم جناب محمد علی نے کل ریڈیو پاکستان سے اپنی ماہانہ تقریر نشر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ پاکستان کی اس خواہش کے خلاف کہ وہ اپنے آپ کو فوجی اعتبار سے مضبوط دیکھنا چاہتا ہے: ہندوستان میں رائے عامہ کو منظم کرنے کی جو غیر معمولی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ آپ نے کہا کوئی ملک بھی ہمیں ایسے اقدامات عمل میں لانے سے روک نہیں سکے گا۔ کہ جن کا عمل میں لانا پاکستانی مفاد کے اعتبار سے ضروری ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ایشیا میں سیاسی استحکام پاکستان کے مضبوط ہونے کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ زبان کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعظم نے قوم سے اپیل کی کہ وہ جذبات کو عقل پر حاوی ہونے کی اجازت نہ دیں۔ آپ نے خیال ظاہر کیا کہ اکثریت کی مرضی کے خلاف اس مسئلے کا فیصلہ کرنا غیر جمہوری فعل کے مترادف ہوگا۔ آپ نے اس بارے میں لوگوں کو مفاہمت کے جذبے سے کام لینے کی تلقین کی۔ آپ نے اہل پاکستان سے متحد رہنے کی اپیل کی۔ اور انہیں اپنی اور اپنے رفقائے کار کی طرف سے یقین دلایا کہ پاکستان بھارت یا کسی اور ملک کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوگا۔ خواہ کوئی کتنا ہی ڈرائے دھمکائے یا واویلا کرے ہم نے پاکستان کو سیاسی فوجی اقتصادی اور نظریاتی اعتبار سے مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا جو عزم کیا ہے۔ ہم اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

پرانے قوانین

دیگر داخلی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعظم نے بتایا کہ مرکزی حکومت قومی تحفظ کے پیش نظر ان قوانین کو ختم کرنے یا ان میں ترمیم کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔ جو پہلے سے نافذ چلے آ رہے ہیں اور ایک آزاد ملک کے شایان شان نہیں ہیں۔ آپ نے مزید بتایا کہ ان سیاسی نظر بندوں کے معاملات پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔ جو ابھی تک رہا نہیں ہوئے ہیں۔ تاہم اس ضمن میں آپ نے خبردار کیا کہ ان کی حکومت ملک کی سالمیت اور استحکام کو کسی حالت میں بھی خطرے میں پڑنے نہیں دیگی۔ چنانچہ کسی ایسے شخص کو ہرگز رہا نہیں کیا جائیگا۔ جس کی سرگرمیوں سے ملک کی سالمیت اور استحکام کو خطرہ پہنچنے کا امکان ہو۔

اقتصادی حالت کے ضمن میں آپ نے اس امر پر اطمینان کا اظہار کیا کہ اب حکومت کی کوششیں بارآور ثابت ہو رہی ہیں۔ کیونکہ ۵۴-۱۹۵۳ء کے اختتام پر زرمبادلہ کی صورت حال بہت حد تک بہتر ہو جانے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ موجودہ تجارتی سال کے پہلے پانچ مہینوں میں توازن تجارت تقریباً ۲½ کروڑ روپے کی حد تک موافق رہا ہے جو ایک خوشکن علامت ہے۔ حکومت مزید ۴۴

۴۴ اقتصادی استحکام کے پیش نظر بنا کو زرتی دینے کی ایک تجویز پر بہت جلد عمل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

غذائی صورت حال

تقریر جاری رکھتے ہوئے وزیر اعظم نے فرمایا پچھلے چند ماہ میں ملک کی غذائی صورت حال نمایاں طور پر بہتر ہو گئی ہے۔ کیونکہ غذائی پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں جو مہم شروع کی گئی تھی۔ اس کے بہت اچھے نتائج ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ نے امید ظاہر کی کہ آئندہ دو تین سال میں ہم مستقل طور پر خود کفیل ہو جائیں گے۔

ایرانی تیل کی فروخت کے متعلق امریکہ برطانیہ اور ایران میں سمجھوتہ ہو گیا

سابق اینگلو ایرانی کمپنی کو معاوضہ دینے کا سوال بھی طے کر لیا گیا۔

واشنگٹن ۲ر فروری۔ معلوم ہوا ہے کہ ایرانی تیل کی فروخت کے متعلق امریکہ برطانیہ اور ایران میں اتفاق رائے ہو گیا ہے۔ سمجھوتہ کے مطابق ایرانی تیل کا ۵۰ فیصدی حصہ امریکی کمپنیاں حاصل کریں گی۔ اور ۴۰ فیصدی حصہ برطانیہ کو ملیگا۔ باقی حصہ ایران خود فروخت کرے گا۔ سابق اینگلو ایرانین کمپنی کو مناسب معاوضہ دینے کے متعلق چھ ممبران پر مشتمل کمیٹی نے جو فیصلہ کیا تھا اسے بھی فریقین نے منظور کر لیا ہے۔

تہران کی اطلاعات مظہر ہیں کہ ایرانی مجلس کے نئے انتخابات آج شروع ہو گئے ہیں دارالحکومت میں چند ایک مقامات پر ڈاکٹر مصدق کے حامیوں کے ساتھ معمولی جھڑپیں ہوئیں بالعموم پولنگ پرسکون ماحول میں ہو رہا ہے۔ ایرانی لیڈر کاشانی نے ایک بیان میں اعلان کیا ہے۔ کہ موجودہ انتخابات میں کامیاب ہونے والے ممبران ایران کے حقیقی نمائندے نہیں ہوں گے کیونکہ انتخابات آزادانہ ماحول میں نہیں ہو رہے۔

برطانیہ کے ساتھ تعلقات کے بارے میں مصر اپنی نئی پالیسی کو آخری شکل دے رہا ہے

برلن کانفرنس کے اختتام پر صورت حال واضح طور پر سامنے آ جائے گی

قاہرہ یکم فروری۔ مصر کے نائب صدر لفٹنٹ کرنل جمال عبدالناصر نے کہا ہے کہ برلن کانفرنس کے اختتام پر مسئلہ سویز کے بارے میں موجودہ صورت حال کی وضاحت ہو جانی چاہیئے۔ انہوں نے کہا صورت حال اب ایسے فیصلہ کن مرحلے پر پہنچ چکی ہے۔ اور اس کی روشنی میں مصر عنقریب اپنی اس پالیسی کو آخری شکل دینے والا ہے کہ برطانیہ کے ساتھ آئندہ اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہو۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ برلن کانفرنس میں بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں جو نئے فیصلے بھی ہوں گے۔ اس کے بعد مسئلہ سویز کی صورت حال خود بخود واضح ہو جائے گی۔ نئی پالیسی کے ضمن میں جمال عبدالناصر ان مذاکرات کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو حال ہی میں مصری مدبران کے درمیان ہوئے تھے۔ اور جن میں مصر کے تمام بیرونی سفیروں نے بھی شرکت کی تھی۔

مصری بحری بیڑے کے تین تباہ کن جہاز ۱۸ر فروری کو کراچی پہنچ رہے ہیں

لندن یکم فروری۔ مصری بحری بیڑے کے تین جہاز پاکستان بھارت اور سیلون کے سرکاری دورہ پر آج روانہ ہو گئے۔ یہ تین جہاز ۱۸ر فروری کو کراچی پہنچ رہے ہیں۔ ان میں ایک جہاز طارق بھی شامل ہے۔ یہ تباہ کن جہاز کراچی سے ۲۵ر فروری کو بمبئی پہنچ جائیں گے۔

اتحادی قوموں کی امن کانفرنس طلب کرنے کا مطالبہ

برلن ۲ر فروری۔ روس کے وزیر خارجہ مسٹر مولوٹوف نے ایک امن کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی ہے جس میں گزشتہ جنگ عظیم کی تمام اتحادی طاقتوں اور جرمن نمائندوں کو شریک کرنے کی دعوت دی جائے۔ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ یہ کانفرنس اس سال اکتوبر سے پہلے پہلے منعقد ہو جانی چاہیئے۔

پاکستان کے لئے امریکہ کی مجوزہ فوجی امداد کی مخالفت

مصر کے وزیر اعظم جنرل نجیب کا بیان

پیرس ۲ر فروری۔ قاہرہ ریڈیو کی اطلاع کے مطابق صدر جمہوریہ مصر جنرل محمد نجیب نے برطانوی پارلیمنٹ کے لیبر رکن ریان مکارڈ سے ملاقات کے دوران کل کہا ہے کہ انکی حکومت کے نزدیک پاکستان اور امریکہ کے درمیان معاہدہ عرب ممالک کے خلاف ایک معاندانہ اقدام ہوگا۔ جنرل نجیب نے مزید کہا ہے کہ اس قسم کے معاہدے سے مشرقی اقوام اور عرب عوام کے درمیان ایک حد فاصل قائم ہو جائے گی اثر انس فرانس پریس کی اطلاع کے مطابق جنرل نجیب نے کہا ہے کہ پاکستان و امریکہ کا مجوزہ معاہدہ عرب ممالک کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ایک چال ہے۔ مصری سفارت خانہ کراچی نے کل شام کو ایک اعلان میں بتایا کہ اسے صدر جمہوریہ مصر جنرل نجیب کا کوئی ایسا اعلان موصول نہیں ہوا جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حکومت مصر کے نزدیک پاکستان اور امریکہ کے مابین معاہدہ عرب ممالک کے خلاف معاندانہ اقدام کے مترادف ہوگا۔

عبدالقادر پرنٹر و پبلشر نے آرمی پریس میں طبع کرا کر دفتر المصلح میگزین لین کراچی سے شائع کیا

روزنامہ المصلح کراچی
۳ر تبلیغ ۱۳۳۳ھ

یکم فروری سے سات فروری

آج جبکہ ہم یہ الفاظ تحریر کر رہے ہیں "تحریک جدید کے ہفتہ" کا دوسرا دن ہے اخبار کراچی میں آج ہی چار بجے تک شائع ہو جائے گا۔ مگر دور کے خریداروں کو ایک دو دن بعد ملے گا۔ یقین ہے کہ تمام ناظرین کو حضور کے خطبہ جمعہ مطبوعہ المصلح ۲۸ جنوری ۱۹۵۴ء سے اور براہ راست مرکز کی اطلاعات سے معلوم ہو چکا ہے کہ یکم فروری ۱۹۵۴ء سے سات فروری ۱۹۵۴ء تک "تحریک جدید کا ہفتہ" منانے کا اعلان حضور نے فرمایا ہے۔ اس لئے یقیناً کل سے ہر جماعت اس ہفتہ کو منانے میں مصروف ہوگی۔

اس ہفتہ کے منانے کا جو طریق ہے وہ خطبہ میں مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ

"اس سلسلہ میں میں جماعت میں تحریک کرتا ہوں کہ یکم فروری سے سات فروری تک تحریک جدید کا ہفتہ منایا جائے ہر جگہ پر ایک بار یا دو دو تین تین بار جلسے کئے جائیں۔ اور جماعت کے ہر فرد کے پاس جماعت کے مخلصین پہونچیں۔ اور اسے اس تحریک میں شامل کریں۔ میں نے مخلصین کا لفظ اس لئے کہا ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جماعت کا کچھ حصہ کمزور ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ مخلصین کمزوروں کے پاس پہونچیں۔ تا ان میں سے بھی کوئی یہ نہ کہہ سکے۔ کہ اسے تحریک جدید میں شامل ہونے کے لئے کوئی تحریک نہیں ہوئی۔ اور پھر جو شخص ایک دفعہ تحریک جدید میں حصہ لے گا۔ اور یہ سمجھ کر حصہ لیگا کہ یہ تحریک قیامت تک چلنے والی ہے۔ وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اب بعض لوگ ایسے ہیں جو پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ یا انہوں نے اپنے سابقہ وعدوں کے مقابل پر صرف پندرھواں۔ سولھواں یا بیسواں حصہ چندہ لکھوایا ہے۔ لیکن وہ بھی ہیں جنہوں نے پہلے سے بھی بڑھ کر اس میں حصہ لیا ہے۔ ہمارے کارکن وعدوں میں کمی کرنے والوں پر چڑتے ہیں۔ اور قربانی کرنے والوں کی طرف نہیں دیکھتے۔ جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جنہوں نے اپنے سابقہ وعدوں میں کافی اضافہ کیا ہے مثلاً کچھ دن ہوئے میرے سامنے ایک فہرست وعدہ کنندگان کی پیش ہوئی تھی۔ اس میں سے ایک شخص کا چندہ پچھلے سال ۶۰۰ روپے تھا۔ اور اس سال اس نے ایک ہزار کا وعدہ کیا ہے۔ پس کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ دونوں کو دیکھیں۔ کمزور پر چڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ استقلال اور قومی جدوجہد کے ساتھ کمزور کو طاقت دی جائے۔ یہ ایک موڑ ہے جو انیس سال کے گزرنے کے بعد سامنے آگیا ہے۔ جب یہ موڑ گزر جائے گا تو آگے کوئی موڑ نہیں آئے گا۔ اب موت ہی ہے جو چندہ دینے سے کسی کو روکے۔ اور موت سے آگے تو ہم کسی سے چندہ لے بھی نہیں سکتے۔ یعنی اس کے آگے کوئی موڑ نہیں سوائے اس کے کہ کوئی شخص زندگی کے موڑ سے ہی مر جائے۔ اور ایسے شخص کا واسطہ خدا تعالےٰ سے ہو جاتا ہے۔ پس اس سال ہمیں خاص جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے میں نے فروری کا پہلا ہفتہ مقرر کیا ہے۔ یکم فروری سے سات فروری تک ہفتہ تحریک جدید منایا جائے۔ ان دنوں جماعت میں جلسے کئے جائیں۔ اور ہر شخص کے پاس جماعت کے سیکرٹری اور صدر صاحبان پہونچیں اور دیکھیں کہ کوئی شخص اس تحریک میں حصہ لینے سے محروم نہ رہے۔ یا کون شخص ایسا ہے جس نے اپنی حیثیت کے مطابق حصہ نہیں لیا۔ اس کے متعلق میں نے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر بھی بتا دیا تھا کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ماہوار آمد کا چوتھا۔ نصف۔ تین چوتھائی۔ یا اللہ تعالےٰ اسے توفیق دے۔ تو ایک مہینہ کی ساری آمد تحریک جدید میں دے۔ یعنی جس شخص کی ماہوار آمد ایک سو روپیہ ہے۔ وہ کم سے کم پچیس روپے اس تحریک میں دے۔ یا خدا تعالےٰ اسے توفیق دے تو پچاس پچھتر یا سو روپیہ اس تحریک میں دے۔

پس اس ہفتہ میں لوگوں میں اس کی تحریک کی جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم نے تحریک جدید میں حصہ لینے کے لئے کم از کم پانچ روپیہ کی شرط لگائی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ہزار روپیہ ماہوار والا بھی پانچ روپے دے کر اس تحریک میں شامل ہوتا ہے۔ تو ہمیں اس کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں اسے سمجھانا چاہیئے کہ تم اپنی قربانی کا مقابلہ دوسروں کی قربانیوں سے کر کے دیکھ لو۔ کجا وہ لوگ تھے جنہوں نے پانچ پانچ چھ چھ ماہ کی آمدنیں تحریک جدید میں دے دیں۔ اور کجا تم ہو کہ تم اپنی ماہوار آمد سے جو ایک ہزار روپیہ ہے صرف پانچ روپے اس تحریک میں دیتے ہو۔ وہ تو پانچ پانچ ماہ کی آمدنیں تحریک جدید میں دے دیتے تھے۔ اور تم اپنی ماہوار آمد کا دوسواں حصہ دیتے ہو۔ گویا تم ان کی قربانی کا ہزارواں حصہ قربانی کرتے ہو۔ اور اس قربانی کا تو ہمیں مجلسوں میں اظہار کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ بہرحال تحریک کرنا تمہارا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی حیثیت سے کم قربانی کرتا ہے۔ تو اس سے انکار کرنا ہمارا حق نہیں۔ چاہے کوئی لاکھوں روپے ماہوار آمد والا پانچ روپے لکھائے تم لکھ لو۔ لیکن اسے یہ تحریک کرنی چاہیئے کہ تمہاری قربانی پہلوں کی قربانی سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔

جماعت کے دوستوں سے میں امید

(باقی دیکھیں صفحہ ۸ پر)

نجات کی طرف دوڑو

— از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز —

(۱) "خدا تعالےٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال اس شرط پر مانگ لئے ہیں کہ وہ ان کو جنت دیگا۔" (قرآن کریم) اے مومنو! کیا تم نے اپنے مالوں کا کوئی حصہ تحریک جدید میں دیا ہے کہ تم خدا سے جنت مانگ سکو؟

(۲) دنیا میں آج خدا تعالےٰ کو قریباً ہر گھر اور ہر ملک سے نکال دیا گیا ہے۔ اے احمدی مخلصو! خدا تعالےٰ نے تم کو مقرر کیا ہے کہ خدا کو اس کے گھر میں داخل کرو۔ کیا تحریک جدید کے جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیکر تم خدا کو اس کے گھر میں داخل نہ کرو گے؟

(۳) سب سے زیادہ مظلوم انسان آج محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہر سال لاکھوں کتب آپ کے چاند سے زیادہ روشن چہرہ پر گرد ڈالنے کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ اے محمد رسول اللہ کی محبت کے دعویدارو! کیا تم اس کے جواب میں اپنی جیبوں میں ہاتھ نہ ڈالو گے۔ اور تحریک جدید میں حصہ لیکر اپنی محبت کا ثبوت نہ دو گے؟

— مرزا محمود احمد —

فلسفۂ احکام اسلام

بعث بعد الموت کا اسلامی نظریہ۔ اور علوم جدیدہ

(از مکرم میجر ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب)

بعث بعد الموت کے موضوع پر عاجز نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جو جلد شائع کرنے کا ارادہ ہے مگر اصل مسودہ کے بعض اہم دلچسپ اور ضروری حصے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ تا دوستوں کی آراء کا علم ہو سکے۔ اور کتاب میں قبل از اشاعت ضروری اصلاح اور ترمیم کی جا سکے۔ واللہ الموفق۔

مذہب کی چار اہم اغراض

واضح ہو۔ کہ مذہب کی چار بڑی غرضیں ہیں۔ اور کامل مذہب وہی ہو سکتا ہے۔ جو ان اغراض کو پورا کر سکے۔ وہ چار اغراض یہ ہیں۔

(۱) مذہب کا اولین فرض یہ ہے۔ کہ وہ انسان کو اس کے مبداء کا علم دے۔ یعنی اس کے پیدا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی ذات اور صفات کی حقیقت کو بیان کرے۔

(۲) دوسرا مقصد مذہب کا یہ ہے۔ کہ وہ انسان کو کامل اخلاقی تعلیم دے۔

(۳) تیسرا مقصد مذہب کا بنی نوع انسان کی تمدنی ضروریات کا حل ہے۔

(۴) اور مذہب کا سب سے آخری مگر اہم مقصد انسان کے انجام کا بیان کرنا ہے یعنی یہ بتانا کہ مرنے کے بعد انسان کہاں جائے گا۔ اور اس کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے مذہب کا فرض ہے۔ کہ وہ مندرجہ ذیل امور کے متعلق کمل اور واضح تعلیم دے۔

(۱) کیا موت کے بعد کوئی نئی زندگی ہے۔ اگر ہے تو وہ کس رنگ میں ہو گی۔

(۲) اگر کوئی لقاء ہے۔ تو کیا اس کے ساتھ عذاب یا ثواب کا کوئی سلسلہ ہے؟

(۳) اس سلسلہ عذاب اور ثواب کی کیفیت کیا ہے؟

(۴) کیا مرنے کے بعد بد انسان نیک ہو سکتا ہے۔ اگر ہو سکتا ہے تو کس طرح۔

اس کتاب میں مذہب کے چوتھے اہم مقصد یعنی حالات مابعد الموت کے متعلق اسلامی نظریہ کو قرآن کریم اور علوم مروجہ کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

معاد یعنی بعث بعد الموت کے متعلق اسلام نے ایسی کامل واضح اور عقل اور فطرت کے مطابق تعلیم دی ہے۔ کہ ہر صحیح الفطرت شخص کو اس کی صداقت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ یہ مسئلہ باوجود دقیق اور فطری ہونے کے بہت ہی اہم ہے۔ متقدمین نے اس مسئلہ پر اپنے اپنے زمانہ کی علمی ترقی اور لوگوں کے فہم اور ذوق کے مطابق روشنی ڈالنے کی کوششیں کی ہیں۔ مگر حق تو یہ ہے کہ جس رنگ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے اس پیچیدہ مسئلہ کو الہام کی روشنی میں عام فہم بنا کر اس علمی زمانہ کی پیاسی روحوں کی تشنگی دور کی ہے۔ یہ لاریب حضرت سلطان القلم کا ہی کارنامہ تھا۔ حضورؑ نے اپنی مختلف تصانیف اور خاص طور پر "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں اس اہم مسئلہ پر ہر پہلو سے سیر کن بحث فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضورؑ کے خلیفہ اور نائب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (امام جماعت احمدیہ) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف احمدیت یا حقیقی اسلام میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تعلیم کی روشنی میں معاد (بعث بعد الموت) کی شرح اور بسط کے ساتھ حقیقت واضح فرمائی ہے۔

مسئلہ کے حل کا صحیح طریق

اصل بات یہ ہے۔ کہ قیامت یا بعث کے مسئلہ کو مجرد عقل سے حل کرنے کی کوشش کرنا ہی بے سود ہے۔ کیونکہ اس دنیا والے اس جہان کے حالات خود معلوم نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ انسان کا واہمہ اور تخیل بھی جو کہ سورج چاند اور ستاروں میں بھی جا گھستا ہے۔ اخروی زندگی کے حالات کا تصوّر نہیں کر سکتا۔ اور اگر کرے گا بھی تو وہ بالکل غلط ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (یعنی کوئی جی جان نہیں سکتا۔ کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے کیا کچھ مخفی رکھا جا رہا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر یعنی جنت کی نعماء کو آنکھ سے دیکھنا یا کان سے سننا تو درکنار کسی انسان کا فکر بھی ان کی حقیقت کا تصوّر نہیں کر سکتا۔ جو حاکم ان کی حقیقت کو بیان کر سکے۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ جو کہ اخروی حالات کو الہام اور کشوف کے ذریعہ سے اپنے خاص بندوں پر منکشف کرتی رہتی ہے۔ کیونکہ اس ذات پاک کے لئے جو زمانہ وقت۔ فاصلہ اور مکان کی حد بندیوں سے آزاد ہے۔ یہ دنیا اور وہ دنیا (اخروی زندگی) بطور آئینہ کے ہیں۔ پس ظاہر ہے۔ کہ عقل بغیر الہام کی روشنی کے نہ صرف اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی۔ بلکہ ٹھوکر کا موجب ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مغربی فلسفہ سے متاثر طبقہ بعث بعد الموت۔ کا اور قیامت کا منکر ہو رہا ہے۔ اس اہم دینی صداقت کا جو کہ مذہب کی روح رواں ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی انکار ہو رہا تھا۔ کفار مکہ بڑی سختی سے اس کے منکر تھے کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ کیا جائیگا۔ قرآن کریم میں ان کے اعتراض اور اس عقیدہ پر استعجاب کا ذکر آگے آئیگا۔ اس موقع پر ایک بدوی شاعر کا صرف ایک شعر لکھا جاتا ہے۔ ذرا اس کے اظہار کا لہجہ ملاحظہ ہو۔ وہ کہتا ہے۔

اموت ثم بعث ثم نشر
حدیث خرافۃ یا ام عمرو

ترجمہ:۔ مرنا اور پھر زندہ ہونا۔ پھر چلنا پھرنا اے عمرو کی ماں (مراد بیوی) یہ سب باتیں خرافات سے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مجرد عقل جو ماضی کو بغیر تاریخ کی شہادت کے اور حال کو بغیر حواسِ خمسہ کی مدد کے معلوم نہیں کر سکتی۔ وہ آئندہ کے مخفی حالات کو کس طرح معلوم کر سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ حیات بعد الموت اور قیامت کے مسئلہ کے حل میں انسانی عقل کو نیر الہام کی اشد ضرورت ہے۔

معاد کی اہمیت

ہر ایک نبیؑ جو دنیا میں آیا ہے۔ اس کا خدا تعالیٰ پر ایمان پیدا کرنے کے بعد سب سے مقدم کام یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کے دلوں میں قیامت کے متعلق ایمان اور یقین پیدا کرے۔ پس ذات باری کے مسئلہ کے بعد معاد یعنی بعث بعد الموت کا عقیدہ دیگر تمام شرعی مسائل سے اہم اور ضروری ہے۔ اسی واسطے قرآن کریم نے توحید اور صفات الٰہی کے بعد حیات بعد ممات اور قیامت کے عقیدہ پر بہت زور دیا ہے۔ اور اس کو ایمان کا بہت ضروری جزو قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ بار بار کفار کے اس اعتراض کو دوہراتا ہے۔ اور مختلف پیرایوں میں اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ کہ جب ہم مر کر ہڈیاں اور مٹی ہو جائیں گے۔ تو کیا سچ مچ ہم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا"؟

مختلف مذاہب کے قیامت کے متعلق نظریے

اسلام کے سوا کسی مذہب نے اس مسئلہ کو واضح نہیں کیا۔ بعض فرقے تو بعث کے منکر بھی ہو گئے ہیں۔ عیسائی اس دنیا میں ہی جنت بنانے کے مدعی ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ جب حضرت مسیحؑ دوبارہ نازل ہوں گے۔ تو وہ تمام اشرار کو مار دیں گے۔ اور دنیا میں صرف نیکوکار عیسائی ہی رہ جائیں گے۔ فسق و فجور۔ تکالیف اور مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ہر شے با فراغت ہو گی۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ کی طرح دودھ کی نہریں چلینگی۔ کامل امن ہو گا۔ اور یہی دنیا جنت بن جائیگی۔ گویا ان کو اس دنیا کا مائدہ اور روز کی روٹی کچھ ایسی پسند آگئی ہے۔ کہ وہ روحانی مائدہ کے حصول اور اگلے جہان کی ابدی جنت سے بھی منکر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ بائیبل میں اخروی زندگی کا ذکر تک نہیں ہے۔ ویدبھی اس معاملہ میں بالکل خاموش ہیں۔ گو ہنود کے بعض فرقے اسے کوئی الگ رنگ نئی دنیا تصوّر کرتے ہیں۔ یا بعض اس کو مان کر ارواح کو انعام اور سزا پانے کے لئے دوبارہ اس دنیا میں لاتے ہیں۔ (تناسخ یا آواگون کا عقیدہ) یہودی مذہب میں بھی قیامت کا ذکر نہیں۔ مگر قرآن کریم اس کا حوالہ دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ نزول قرآن کے بعد تحریف کر کے یہود نے یہ آیات تورات سے نکال دی ہوں۔ البتہ ژند اوستا (پارسیوں کی مذہبی کتاب) میں ایک حد تک قیامت کا ذکر ہے۔ مگر اس نے بھی اخروی زندگی کی اغراض۔ مقاصد اور حکمتیں بیان نہیں کیں۔ جس طرح قرآن کریم نے ایک مکمل ضابطہ کے رنگ میں اس کو واضح کیا ہے۔ مذہب میں ایک طبقہ جس کو سپرچولسٹ کہتے ہیں۔ مردوں کی ارواح کو عالم بالا سے بلا کر ان سے کلام کرنے کا مدعی ہے۔ جو سراسر نفس کا دھوکہ یا دماغ کے سب کانشس (تحت الشعور) حصہ کی مخفی قوتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ غرضیکہ قریباً ہر ایک مذہب اور فرقہ نے اس مسئلہ میں ٹھوکر کھائی ہے۔ اور دوسروں کو ٹھوکر دی ہے۔

حیات اخروی کی ضرورت

حیاتِ اخروی کی ضرورت یہ ہے۔ کہ معاد (بعث) کے عقیدہ پر ہی تمام اعمال حسنہ کا دارو مدار ہے۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو بھی جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ وہ انسان کا خالق ہے۔ اور وہ ان کو جزا اور سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ تو بھی جب تک یہ ثابت نہ ہو۔ کہ کوئی اگلا جہان (آخرت) بھی ہے۔ جہاں مرنے کے بعد انسان کی روح کو پہنچایا جائیگا اور وہاں اس کو اچھے یا بُرے اعمال کے مطابق جزا سزا بھی ملے گی۔ اس وقت تک انسان اپنے اعمال کو ریاء سے پاک کر کے خالصۃً لوجہ اللہ نہیں بنا سکتا۔ وہ محض پولیس کے ڈر سے جرائم کے ارتکاب سے رکے گا۔ یا بدنامی اور بیماری کے خوف سے بدکاری سے بچیگا۔ وہ نیک نامی اور شہرت کے لئے تو نیکی کرے گا۔ وہ کاروبار کو فروغ دینے کے لئے بعض تاجروں کی طرح حج بیت اللہ بھی کرلے گا۔ مگر اس کے یہ سب کام نیکی کی خاطر نہ ہوں گے نہ ہی وہ رضاء الٰہی کا موجب ہو سکیں گے جو حقیقی طہارت اور پاکیزگیٔ قلب کا موجب ہوتے ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا میں کئی اچھے اور بُرے کام بغیر جزا سزا کے رہ جاتے ہیں۔ اور انسان فوت ہو جاتا ہے۔ کئی بے گناہ مارے جاتے ہیں۔

اور کئی گنہگار بغیر سزا کے نکل جاتے ہیں۔ پس انسانوں میں اچھے اعمال کی تحریک کرنے اور بُرے اعمال سے روکنے کے لئے محض اللہ تعالیٰ کی ذات۔ انبیاءؑ۔ کتب سماوی۔ ملائکہ اور قضاء و قدر کا سلسلہ کافی نہ تھا۔ جب تک اخروی زندگی کا سامان بھی پیدا نہ کیا جاتا۔ جہاں پر ہر انسان اس جہان کی ناکامیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر سکتا۔ اور نیک اعمال کا بدلہ پا سکتا۔ یعنی اپنے اعمال کے نتائج مکمل اور حقیقی رنگ میں دیکھ سکتا۔ معاد کا عقیدہ اس قدر اہم ہے۔ کہ اس کے بغیر کائناتِ عالم کا سب مادی اور روحانی نظام جو کروڑہا سال سے انسان کی خدمت میں لگا ہُوا ہے۔ اور اس کے جسمانی اور روحانی ارتقاء کا باعث ہُوا ہے۔ عبث اور ادھورا رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

افحسبتم انما خلقناکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون۔ (اس آیت کی تشریح آگے آئے گی۔

بعث سے انکار کی وجوہات

مگر تعجب ہے۔ کہ جس قدر اس مسئلہ کی اہمیت واضح اور عقلاً بیّن ہے۔ اتنا ہی اس کا انکار کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ محض گناہوں کی کثرت اور قلوب کا زنگ ہے۔ یعنی جس حقیقت کا سامنا بلکہ اس کا تصور بھی جسم میں لرزہ پیدا کر دینے والا ہو۔ اس کا انکار ہی کر دیا جائے۔ جس طرح آج کل عالمگیر جنگ کی واضح تباہیاں دیکھ کر بھی اکثر عیش پسند لوگ کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ جنگ نہیں ہوگی۔ جس سے ان کی مراد یا دعا یہ ہوتی ہے۔ کہ الٰہی جنگ نہ ہو۔ یعنی ان کی خواہش یہ ہوتی ہے۔ کہ جنگ نہ ہو۔ تا ان کے عیش و آرام میں فرق نہ آئے۔ مشہور ہے۔ کہ بلّی جب کبوتر پر حملہ کرتی ہے۔ تو وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ کہ شاید اس طرح یہ بلا ٹل جائے۔ اور بلّی کا وجود محض تخیل ثابت ہو۔ اسی طرح کہتے ہیں۔ کہ شترمرغ کو جب کوئی خطرہ نظر آئے۔ تو وہ بھی اپنا سر ریت میں چھپا لیتا ہے۔ ایک مثل مشہور ہے۔ کہ کسی میراثی کو جب میدانِ جنگ میں ایک مہلک زخم آیا۔ تو وہ خون جاری دیکھ کر بہت خوف زدہ ہُوا۔ مگر پھر آنکھیں بند کر کے کہنے لگا۔ یا اللہ یہ خواب ہی ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسی باتوں سے حقیقت ٹل نہیں سکتی۔ اور انسان آخرت کے سفر کی تیاری نہ کرنے کی وجہ سے سخت گھاٹے میں رہتا ہے۔ اور اندھا اٹھایا جاتا ہے۔ پس اس معاملہ میں اصل اور دانشمندانہ طریق یہی ہے۔ کہ انسان حیات الآخرت کو ایک مسلّمہ حقیقت جان کر اس لمبے سفر کے لئے مناسب تیاری کرے اور زادِ راہ کا سامان پیدا کرے۔ جس طرح دنیا میں ہر عقلمند انسان دنیاوی سفروں کے لئے کرتا ہے یعنی وہ تجربہ کار سیاحوں سے نئے ملک کے حالات پاسپورٹ۔ آب و ہوا ذرائع نقل و حمل اخراجات۔ وہاں کی امراض۔ لباس۔ خوراک۔ بول چال وغیرہ کے متعلق تفصیلی علم حاصل کر کے اس پر عمل بھی شروع کر دیتا ہے۔

نقطۂ نگاہ اور ذہنیت کا بھی انسان کے عقائد اور اعمال پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ مثلاً کسی بُری بات کو خوبصورت نام دے کر لوگ بدی کرتے رہتے ہیں مگر ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (گو اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر دل پر زنگ لگتا رہتا ہے) پہلے وہ اس کی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتے چنانچہ آج کل کی مہذب سوسائٹی میں چوری اور جھوٹ عام ہے۔ مگر اس کا نام اڑا لینا یا Pinch کر لینا اور بلف (Bluff) کرنا رکھا ہُوا ہے۔ جو کہ سراسر نفس کا دھوکہ ہے۔ اور یہ بھی شیاطین کا ایک طریق بدی کرانے کا ہے۔ کہ اس کو مزین کر کے دکھایا جاتا ہے تا انسان کی فطرت (جو پاک ہوتی ہے) بدی کو اصلی رنگ میں دیکھ کر اس کو دھتکار نہ دے۔

انسانی پیدائش کی اصل غرض

انسان کی پیدائش کی غرض و غایت کے متعلق مغرب کا نقطۂ نگاہ ہی الگ ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ انسان دنیا میں عیش و عشرت کے لئے آیا ہے۔ اگلا جہان چونکہ کوئی نہیں۔ اس لئے جو دنیا میں خوب عیش و آرام کے دن گزارے گا۔ اور قانون اور پولیس کی گرفت سے بھی بچا رہے گا۔ وہ بہت کامیاب ہوگا۔ اور جو اس دنیا میں ناکام رہا۔ اس کے لئے دوبارہ کوئی موقع نہیں۔ کیونکہ حیات الآخرت محض ایک ڈھونگ اور واہمہ ہے۔ جو (نعوذ باللہ) ناکام مذہبی راہنماؤں نے اپنے سادہ لوح مریدوں کو خوش کرنے کے لئے بنا رکھا ہے۔ کہ اس طرح ان کی ناکامی کی ذلّت پر پردہ پڑا رہے گا۔ مگر اسلام اس کے برخلاف یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا کامل عبد بننے اور اسکی . . . . صفات کا مظہر بننے اور لقائے الٰہی کے قابل بننے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ مگر ظاہر ہے۔ کہ پیدائش کی یہ حقیقی اور اہم غرض کامل طور پر اس جہان میں پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک انسانی روح کو وفات کے بعد ایک دوسرے مقام پر رکھ کر ارتقائی منازل سے گذار کر اسکی مخفی لطیف طاقتوں کا نشو و نما نہ کیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمدؑ) اپنی کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے صفحہ ۱۲۳ میں فرماتے ہیں:۔ "جس چیز کے قویٰ اعلیٰ سے اعلیٰ کام کر سکتے ہیں۔ اور پھر آگے جا کر ٹھیر جاتے ہیں۔ وہی اعلیٰ کام اس کی پیدائش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً بیل کا کام قلبہ رانی یا آبپاشی یا باربرداری ہے۔ ...... مگر جب ہم انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ قوتوں کو ٹٹولتے ہیں۔ کہ اس میں اعلیٰ سے اعلیٰ کونسی قوت ہے۔ تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدائے اعلیٰ و برتر کی تلاش اس میں پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ چاہتا ہے۔ کہ خدا کی محبت میں ایسا گداز اور محو ہو۔ کہ اس کا اپنا کچھ بھی نہ رہے سب کچھ خدا کا ہو جائے۔ ...... پس ظاہر ہے کہ انسان کا اعلیٰ کمال خدا تعالیٰ کا وصال ہے۔ لہٰذا اسکی اصل زندگی کا مدعا یہی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف اس کے دل کی کھڑکی کھلے۔"

ہز ہائی نس آغا خاں

(منقول از روزنامہ جنگ یکم فروری)

آغا خاں کا اصل نام سلطان محمد شاہ ہے۔ ۲ نومبر ۱۸۷۷ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ مقام پیدائش ہنی مون للاج ہے۔ کہتے ہیں سلسلہ نسب اڑتالیسویں پشت میں حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ والد ماجد آغا خاں ثانی یعنی آغا علی شاہ ۱۸۸۵ء میں فوت ہوئے۔ اور آپ ان کی جگہ اسی سال آٹھ سال کی عمر میں اپنے فرقہ کے اڑتالیسویں امام کی حیثیت سے مسند نشین ہوئے۔ ابتدائی تربیت و تعلیم کے فرائض والدہ نواب عالیہ شمس الملوک نے انجام دیئے۔ اس کے بعد مذہبی اور مشرقی و مغربی علوم میں افاضل وقت سے کسبِ فیض کیا۔ آپ کے دادا حسن علی شاہ شاہ ایران کے عزیز دوستوں میں سے تھے۔ وہ انہیں شفقت سے آغا خاں کہا کرتا تھا۔ اس کے بعد یہی عرفیت مستقل خاندانی لقب بن گیا۔ اور اس اعتبار سے سلطان محمد شاہ اپنے سلسلہ کے تیسرے آغا خاں ہیں اگرچہ آبائی وطن سندھ ہے۔ کیونکہ آباؤ اجداد ۱۸۴۲ء سے سندھ میں آباد تھے۔ مگر پاکستان بننے کے بعد آغا خاں نے ۱۹۴۹ء سے ایرانی شہریت اختیار کر لی ہے۔ دنیوی دولت اور اعزاز و اکرام میں آغا خاں اس وقت کے سلاطین سے بھی آگے ہیں۔ ان کے پاس بے شمار دولت ہے۔ اور وہ اسے اپنے شوق اور جماعتی کاموں پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ مگر اس کی افراط و فراوانی میں کوئی کمی نہیں۔ دنیا کے خوشحال اسماعیلی اس میں برابر اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

ہز ہائی رائل نس کا خطاب موروثی اور برطانیہ کا عطا کردہ ہے۔ اپریل ۱۹۱۶ء میں برطانوی حکومت کی طرف سے گیارہ توپوں کی سلامی کا اعزاز ملا۔ ایران نے حضرت والا شمس الہمایوں کے خطاب سے نوازا۔ اس کے علاوہ ٹرکی اور جرمنی وغیرہ نے بھی کچھ خطابات دیئے۔ صرف برطانوی و ایرانی خطابات کے ساتھ آپ کا نام اس طرح لکھا جاتا ہے۔ ہز رائل ہائی نس شمس الہمایوں رائٹ آنریبل سر سلطان محمد شاہ آغا خاں جی۔سی۔ایس۔آئی۔ ای۔جی۔سی۔وی۔او۔کے۔سی۔آئی۔ای۔ایل۔ایل۔ڈی۔ پی۔سی۔ آپ کے پیرو پاکستان و ہندوستان کے علاوہ وسط ایشیا۔ افریقہ۔ عرب اور یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور قریب قریب سب ہی خوشحال ہیں۔ خاص پیشہ تجارت ہے۔

آغا خاں کے پیروں اور عقیدت مندوں نے ان کی پہلی طلائی جوبلی ۱۹۳۵ء میں منائی۔ اور انہیں بمبئی اور افریقہ میں دو جگہ سونے سے تولا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۶ء میں ڈائمنڈ جوبلی ہوئی۔ اور ہیروں میں تولا گیا۔ اس سال ۳ر فروری کو پلیٹنیم جوبلی منائی جا رہی ہے۔ اور کراچی میں پلیٹنیم سے وزن کیا جائیگا۔ جب کہ ہر پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے۔ کہ آغا خاں ایک مستقل فرقہ کے امام و پیشوا ہیں۔ (باقی صفحہ ۵ پر)

حقیقی عرفان گناہ سوز ہے

ایک اور مقام پر کشتی نوحؑ میں حضورؑ یقین اور عرفان کے متعلق فرماتے ہیں:۔ کہ حقیقی معرفت ہی گناہ سوز ہو سکتی ہے۔ انسان گناہ پر جو اس قدر دلیری کرتا ہے۔ تو اس کی وجہ معرفت کی کمی ہے۔ دیکھو جس انسان کو یقین ہوتا ہے۔ کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے۔ وہ اس میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یا جب کسی کو یقین ہو۔ کہ فلاں کھانے میں زہر ہو۔ تو وہ اس کو دانستہ نہیں کھاتا۔ اسی طرح اگر کسی کو یقین ہو۔ کہ فلاں بن میں درندے اور شیر ہیں۔ تو وہ بغیر اسلحہ اور مددگاروں کے اس بن میں نہیں جائے گا۔ اسی طرح اگر انسان کو یقین ہو۔ کہ گناہ ایک زہر ہے۔ جس کو کھا کر انسان بچ نہیں سکتا۔ تو وہ اس پر کبھی دلیر نہ ہو۔ پس یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے عرفان کی کمی ہے۔ جو انسان دلیری سے اس کے احکام کی خلاف ورزی کر کے بدی میں مبتلا رہتا ہے۔ اور حیات الآخرۃ اور لقاء الٰہی کا انکار کر بیٹھتا ہے (باقی)

نادان ہے وہ شخص جو ایک نیکی میں فتور ڈال کر دوسری نیکی کرتا ہے

چندہ عام جس میں حصہ آمد بھی شامل ہوتا ہے۔ ایک لازمی اور ضروری چندہ ہے۔ اور سب سے مقدم ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکھی۔ اور اس کی باقاعدگی کے متعلق حضور نے یہاں تک تاکید فرمائی کہ "جو شخص تین ماہ تک چندہ ادا نہ کرے گا۔ اس کا نام سلسلہ بیعت سے کاٹ دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد کوئی منافق دائرہ جو انصار میں داخل نہیں اس سلسلہ میں ہرگز نہیں رہ سکے گا۔"

(ملاحظہ ہو تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۴۹-۵۰)

گویا تین ماہ تک چندہ نہ دینے والے کے متعلق اس قدر انذار ہے۔ کہ وہ سلسلہ بیعت سے کٹ کر حصار احمدیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ جو شخص اس سے زیادہ کئی ماہ یا سالہا سال سے چندہ نہ دیتا ہو۔ ایسا شخص خود اپنے تاریک انجام کے متعلق قیاس کر سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے دفتر میں سلسلہ بیعت سے خارج ہو جانا کوئی معمولی سزا نہیں۔

اس چندہ کی اہمیت کے متعلق حضور علیہ السلام کے بعد آپ کے خلفاء بھی زور دیتے چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک خطبہ میں فرمایا۔

"ہر وہ شخص جس کے ذمہ دفتر بقیہ چندوں میں سے کوئی نہ کوئی بقایا ہے یا ہر وہ جماعت جس کے چندوں میں بقائے ہوں۔ وہ فوراً اپنے اپنے بقائے پورے کریں۔ اور آئندہ کے لئے چندوں کی ادائیگی میں باقاعدگی کا نمونہ دکھلائیں جو جماعتیں میرے اس حکم کے مطابق اپنے اپنے بقایوں کو ادا کرتے ہوئے فریضہ چندوں میں باقاعدگی اختیار کریں گی میں سمجھوں گا کہ انہوں نے اپنے اقرار کو پورا کیا۔ اور آئندہ کی جدوجہد میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

جلسہ سالانہ ۱۹۵۴ء پر بھی حضور نے اپنی تقریر میں جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"تحریک جدید کو ہم کتنی ہی ضروری چیز قرار دیں۔ یہ لازمی بات ہے کہ اگر اس تحریک کا اثر پہلے کاموں کے خلاف پڑے تو پھر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہم ہر دلعزیزی والا کام کریں تو سلسلہ کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچاتے رہیں گے (اس موقعہ پر ایک ہر دلعزیزی کی مثال بھی بیان فرمائی) تحریک جدید میں صرف انہی لوگوں کا چندہ لیا جائے گا جو اپنے لازمی چندوں کے بقائے ادا کر دیں گے۔"

اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے لازمی چندوں کی اہمیت بالصراحت بیان فرمائی ہے۔ لیکن اس وقت صرف انہی حوالجات پر اکتفا کرتے ہوئے احباب اور عہدیداران جماعت کو توجہ دلائی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر غور کریں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ان واضح ہدایات کی موجودگی میں کوئی شخص ان لازمی چندوں کو نظر انداز تو نہیں کر رہا۔ چندہ عام اور حصہ آمد ایک لازمی اور ضروری چندہ ہے اور سب سے اہم اور مقدم ہے۔ ممکن ہے کہ بیک وقت متعدد تحریکات کی وجہ سے ان تحریکات میں حصہ لینے کے لئے کوئی شخص لازمی چندوں میں تغافل اختیار کرے۔ اس لئے مناسب خیال کیا گیا ہے کہ احباب اور عہدیداران جماعت کو آگاہ کر دیا جائے۔ کہ دیگر تحریکات کی بناء پر لازمی چندوں میں قطعاً ضعف نہ آنے دیں۔ اگر کوئی شخص دیگر تحریکات کی بناء پر ان چندوں میں سستی یا کوتاہی کرے گا۔ تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مورد الزام ہوگا۔

ایسے شخص کی مثال تو ایسی ہی ہوگی کہ وہ فرض نماز کو ترک کر کے کثرت سے نوافل میں مشغول ہو جائے . . . .

. . . . بعد کے نوافل کے ذریعہ بھی خدا تعالیٰ کو ہی یاد کیا جاتا ہے اور اسی کی عبادت کی جاتی ہے۔ یا اسی طرح رمضان کے روزے تو نہ رکھے اور نفلی روزوں پر زور دینا شروع کر دے۔ ایسے زاہد اور عابد کے اس قسم کے اعمال و عبادات ہرگز خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے تقرب کا موجب نہیں ہو سکتے۔ ہاں فریضہ اعمال اور عبادات بجا لانے کے بعد نوافل یقینی طور پر ترقی درجات اور تقرب الی اللہ کا موجب ہو سکتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس طرح فرائض کے تارک کو نوافل کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ اسی طرح فرائض کے ساتھ نوافل ادا کئے بغیر ترقی درجات اور تقرب الی اللہ نہیں ہو سکتا۔

پس جہاں لازمی چندوں کی باقاعدگی کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ وہاں دیگر تحریکات میں حصہ لینا بھی کم ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ حالات پیش آمدہ اس امر کے متقاضی ہیں۔ کہ مالی قربانی زیادہ سے زیادہ کی جائے۔ لیکن ان میں حصہ لینے والے کے لئے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے فرمودہ اصول کو نظر انداز نہ ہونے دیا جائے۔ اور نہ یہ سمجھ لیا جائے۔ کہ ایک نیکی کی خاطر دوسری نیکی کو چھوڑنا خدا تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"بہت نادان وہ شخص ہے۔ کہ اگر کوئی نیکی کرتا ہے۔ تو اس طرح پر کہ ایک نیکی میں فتور ڈال کر دوسری نیکی بجا لاتا ہے۔ وہ خدا کے نزدیک کچھ نہیں۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۵۰)

پس احباب اور عہدیداران جماعت کو چاہیئے۔ کہ اپنی اپنی جگہ اپنی ذات اور جماعت کا محاسبہ کریں۔ کہ لازمی چندوں میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ اگر ہو رہی ہو تو اس کا کس طرح تدارک کیا جائے۔ تا ایسا نہ ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے صریح احکام کی نافرمانی کرتے ہوئے بجائے ثواب کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کو اپنے اوپر لے لیں۔

(نظارت بیت المال ربوہ)

ہز ہائی نس آغا خان (بقیہ صفحہ ۴)

لیکن اس کے باوجود آغا خان کی وسیع المشربی اور صلح کل پالیسی کی بناء پر نظری یا عملی تصادم کی کبھی نوبت نہیں آتی۔ ۲۰ فروری ۱۹۵۱ء کو انہوں نے اپنے پچھلے دورہ کے موقع پر کراچی میں اپنے عقائد کی وضاحت خود اسطرح کی تھی۔ "بظاہر اسمعیلیوں کے عقائد کے متعلق کچھ غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ لہذا میں اس کی وضاحت کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد حضرت عثمان کی شہادت کے وقت تک مسلمانوں میں شیعہ سنی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔ اس کے بعد دنیائے اسلام کی دو شاخیں ہو گئیں۔ اور عربی اصطلاح میں دو فرقے بن گئے۔ ایک شیعان علی کا فرقہ۔ اور دوسرا ... معاویہ کا۔ یہ دونوں اس وقت تک قائم رہے۔ ... حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح نہ کر لی ... کے بعد جب حضرت معاویہؓ بلا اختلاف خلیفہ ہو گئے اور کثرت رائے ان کے ساتھ ہو گئی۔ تو مسلمانوں کے رجحان کا بڑا ... شیعان معاویہ ہو گئے۔ اور اسلام کا مسلمہ قرار دیا گیا۔ ... شیعان علی کا دوسرا فرقہ بھی قائم رہا۔ اسمعیلی انہیں شیعان علی میں سے ہیں۔

"ہمارا نظریہ یہ ہے۔ کہ چونکہ حضرت علیؓ نے پہلے تین خلفاء سے تعاون کیا۔ تو ہمارا کام بھی بجز اس کے کچھ نہیں کہ جس طرح خود حضرت علیؓ نے تمام عمر ان کی عزت سے یاد کیا۔ اسی طرح ہم بھی کریں۔ حضرت علیؓ نے ان تینوں خلفاء کی زندگی میں کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا۔ اس کے اسباب و وجوہ وہی اچھی طرح جان سکتے تھے۔ ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم کوئی سوال ایسا نہ اٹھائیں۔ جو انہوں نے خود نہیں اٹھایا۔ اس طرح گو ہم شیعان علیؓ میں سے ہیں۔ مگر ہم پُر خلوص طور پر یہ دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ اور ان کے گناہوں کی مغفرت کرے۔"

اس کے بعد انہوں نے خود جماعت کے اتحاد اسلام کو ذیل کا پیغام بھیجا ... ۹ اگست ۱۹۵۰ء کے شمارہ میں شائع ہوا ... میں اتحاد اسلامی کے مقصد کی جو ... تقریب ... ہندوستانی نادر ... ہو سکتی ہے۔ ... تمیں جس طرح ہم اسمٰعیلی جو حضرت علیؓ کے پیرو ہیں اہل سنت کا احترام کرتے ہیں۔"

یہ وضاحت اور یہ پیغام دونوں اپنی جگہ صرح اور قابل ... کے پہلو نمایاں رکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ فرقہ وارانہ انفرادیت پر بھی پوری طرح زور موجود ہے۔ لیکن یہ اختلاف صرف نظریہ اور عقیدہ ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام مذہبی و دینی جزئیات میں جاری و ساری ہے۔

دوسرے مذہبی فرقوں کی طرح فرقہ اسمٰعیلیہ بھی نہایت منظم و منضبط فرقہ ہے۔ سارے جماعت کے معاش و معاد کا دارومدار آغا خان کی ذات ہے۔ وہ پیروؤں کے علاقوں میں سال میں ایک دفعہ دورہ کرتے ہیں۔ ساتھ ہی قصبہ پر نماز کی امامت کرتے ہیں۔ اور خطبہ دیتے ہیں۔ جس میں مذہبی۔ تعلیمی۔ تمدنی و معاشرتی اور جملہ اجتماعی معاملات پر بحثیں کرتے ہیں۔

اسمٰعیلی جہاں جہاں آباد ہیں وہاں ان کے جماعت خانے مدارس کتب خانے زچہ خانے اور صحت اطفال کے مراکز وغیرہ الگ ہیں۔ مذہبی مقامات پر تبلیغ کے لئے ہیں مگر تعلیم پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ جماعتی تعلیم گاہوں میں مذہبی تعلیم کا خاص انتظام ہوتا ہے۔ باہمی نزاعات کے فیصلے کے لئے جماعتی عدالتیں قائم ہیں۔ ان کے اوپر ایک عدالت عالیہ ہوتی ہے۔ جو اپیلوں اور سنگین مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے۔ انتظامی امور اور آغا خان سے رجوع کرنے کے لئے ہر جگہ ایک یا ایک سے زیادہ وزیر مقرر ہوتے ہیں جو آغا خان سے جماعت کے ربط کا ذریعہ اور ان کے احکام کے نفاذ کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی آمد ان کی حضوری میں رہتے ہیں۔

لیکن جماعتی و فرقہ وارانہ عقائد کے معاملات سے قطع نظر آغا خان کی شخصیت بہرنوع مسلّم ہے۔ برصغیر کی گذشتہ پچاس سال کی تاریخ میں مسلمانان ملک کیلئے انہوں نے جس خلوص جس تندہی اور جس بےغرضی سے کام کیا اس سے کوئی متنفس انکار نہیں کر سکتا۔ اگر تعلیمی ترقی کے میدان پر نظر ڈالئے تو آغا خان کی قائدانہ صلاحیتیں اور خلوص کے جذبات سر سید اور علیگڑھ تحریک کے دوسرے علمبرداروں کے دست و بازو بن کر کام کر رہے ہیں اور مسلم یونیورسٹی کے قیام کا خواب ... کی صورت اختیار کرتا ہے۔

لاہور میں ۲ مارچ کو جلوس قطعی طور پر متشددانہ تھا

مولوی غلام دین اور دوسرے اشخاص کو اسلئے گرفتار کیا گیا تھا کہ وہ ٹریفک کو روکتے تھے اور امن شکنی پر مصر تھے

تحقیقاتی عدالت میں سید اعجاز حسین ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کا بیان

گذشتہ سے پیوستہ

سوال:- اس کے متعلق ہوم سیکرٹری نے یہ کہا ہے "اس کے مطابق میں نے اسی دن پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کے ماتحت ایک حکم جاری کر دیا۔ عبدالستار خان نیازی سارا دن مسجد وزیر خاں میں رہے۔ سوائے کچھ عرصہ کے جب کہ وہ دہلی دروازہ کے باہر ایک اور اشتعال انگیز اور قابل اعتراض تقریر کرنے کے لئے باہر آئے۔ ان پر گرفتاری کے حکم کی تعمیل نہ کرائی جا سکی۔ کیونکہ سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ کے مطابق مسجد مشتعل عوام سے بھری ہوئی تھی" ہمارے نزدیک ہوم سیکرٹری کے اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ ارادہ تو مولانا نیازی کو مسجد کے اندر ہی گرفتار کرنے کا تھا۔ لیکن حکم کو عملی جامہ اس لئے پہنایا نہ جا سکا کہ مسجد مشتعل عوام سے بھری ہوئی تھی۔ کیا ہوم سیکرٹری کے بیان کے متعلق ہماری تعبیر درست ہے؟ جواب:- معزز عدالت کی یہ تعبیر درست ہے؟ سوال:- کیا یہ آپ کے اس بیان کے مطابق ہے کہ مسجد سے مسٹر نیازی کو گرفتار کرنے کی تجویز مسترد کر دی گئی تھی؟ جواب:- جی ہاں۔ سوال:- کیا ہوم سیکرٹری کے بیان میں جو وجہ پیش کی گئی ہے وہ بھی درست ہے؟ جواب:- یہ اس صورت میں درست ہوتی اگر گرفتار کرنے کی کوئی کوشش کی جاتی اور مشتعل ہجوم مداخلت کرتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مسجد کے اندر انہیں گرفتار کرنے کی قطعاً کوئی کوشش نہ کی گئی۔ جرح کے دوران میں حکومت پنجاب کے وکیل مسٹر فضل الٰہی نے انہیں پوچھا۔ کیا آپ میرے اس خیال سے اتفاق کرتے ہیں۔ کہ حکومت کے ۲۸ فروری کے مراسلہ سے آپ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ گرفتاریوں سے پہلے اس سے مشورہ ناگزیر ہے؟ گواہ نے کہا کہ اس میں خیال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو میرے لئے حکم تھا کہ جب تک گرفتاریاں ناگزیر نہ ہو جائیں۔ میں حکومت سے مشورہ کروں اور حکومت سے مشورہ کا وقت نہیں تھا۔

سوال:- کیا آپ کو یاد ہے کہ دہلی دروازے سے باہر مجلس عمل کی طرف سے رضاکاروں کے لئے ایک کیمپ بنایا گیا تھا جس کا مقصد رضاکاروں کو یہاں سے کراچی بھیجنا تھا؟ جواب:- جی ہاں۔ کراچی بھیجے جانے کے لئے بعض رضاکار اکٹھے ہوتے تھے۔ سوال:- کیا آپ کو یہ بھی یاد ہے کہ رضاکاروں کے بعض دستے لاہور سے کراچی بھیجے بھی گئے؟

جواب:- جی ہاں۔ سوال:- کیا اس مراسلہ کا صفحہ ۴ - الف پڑھنے کے بعد آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں گے۔ کہ کراچی رضاکار بھیجے جانے کے متعلق آپ نے کیا پالیسی اختیار کر رکھی تھی؟ جواب:- سب سے پہلے میں نے یہ قدم اٹھایا کہ تمام مجسٹریٹوں کے درمیان اس مراسلہ کو گھما دیا۔ تاکہ وسیع پیمانے پر اس کی پبلسٹی ہو سکے۔ لیکن جب یہ مراسلہ موصول ہوا۔ مجلس عمل نے رضاکار کراچی بھیجنے کا خیال ترک کر کے اپنی جدوجہد لاہور پر مرکز کر دی۔ سوال:- کیا آپ نے حکومت کے اس مراسلہ کا یہ مطلب سمجھا کہ کراچی روانہ ہونے والے رضاکاروں کو گرفتار کر لیا جائے؟ جواب:- جی نہیں۔ سوال:- کیا اس کے بعد حکومت نے ان رضاکاروں کے متعلق ہدایات جاری کیں جو کراچی روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے؟ جواب:- جی ہاں ۴ مارچ کو ہوم سیکرٹری کی طرف سے ہدایات موصول ہوئی تھیں۔ کہ رضاکاروں کے دستوں کو کراچی یا لاہور روانہ ہونے سے روکنے کے لئے پہلے ترغیب کے طریقے استعمال کئے جائیں۔ اگر وہ کامیاب ثابت نہ ہوں۔ تو پھر مناسب منع کرنے کے انتظام کئے جائیں۔ یہ ہدایات سول لائنز تھانہ میں سول احکام کے اجلاس میں فیصلہ کا نتیجہ تھیں جن میں ہوم سیکرٹری، آئی۔ جی۔ پی، ایس۔ ایس۔ پی اور میں نے شرکت کی تھی۔ میں نے اس اجلاس میں ان لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی تھی۔ کہ آس پاس کے علاقوں سے رضاکار لاہور میں وارد ہو رہے ہیں۔ اور متعلقہ اضلاع کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو انہیں لاہور آنے سے روکنا چاہیئے، میں نے ایک تحریری بیان میں اس چیز کا حوالہ دیا تھا۔ سوال:- کیا اس سے پیشتر رضاکاروں کو کراچی روانہ ہونے سے روکنے کی ہدایات حکومت نے نہیں دی تھیں؟ جواب:- نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ۲۸ فروری کے بعد کوئی رضاکار لاہور سے روانہ نہیں ہوا۔ سوال:- کیا ۳ مارچ کو صورت حال بہتر ہو گئی تھی؟ جواب:- جی ہاں۔ جیسا کہ مسٹر انور علی نے کہا حقیقت میں آدھی جنگ جیتی جا چکی تھی عدالت نے پوچھا کہ ۳ یا ۴ تاریخ کو آپ کی مرضی کے بغیر فوجی دستے ہٹائے گئے تھے؟ گواہ نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ سوال مولانا نیازی کی گرفتاری کی تجویز کے متعلق وزیر اعلیٰ کا ردعمل کیا تھا؟ جواب مجھے معلوم نہیں۔

سوال:- کیا ۲۸ فروری، یکم یا ۲ مارچ کو کوئی جلوس نکلا۔ جواب:- جی ہاں۔ سوال:- کیا ان جلوسوں سے آپ کو یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ اگر انہیں روکا نہ گیا تو معاملہ کے لئے یہ زیادہ الجھنیں پیدا کر دیں گے؟ جواب:- ۲۸ فروری اور یکم مارچ کے جلوسوں سے ایسا خیال پیدا نہیں ہوا تھا۔ لیکن ۲ تاریخ کے جلوس نے یہ خیال پیدا کیا۔ سوال:- ۲۸ تاریخ کو کتنے جلوس نکلے؟ میں تعداد تو نہیں بتا سکتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایک ہی جلوس نکلا۔ سوال:- اس جلوس میں کتنے افراد تھے؟ جواب:- جب یہ موچی دروازہ سے شروع ہوا تو یہ پچاس ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا لیکن جب یہ جلوس انارکلی سے گذرا تو کچھ اور لوگ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اور چیرنگ کراس کے پاس اسکی تعداد بمشکل ۲۰۰ اشخاص پر مشتمل تھی۔ سوال:- اور یکم کو جلوس کے افراد کی تعداد کیا تھی؟ جواب:- تعداد قریباً وہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں تھوڑی بہت کمی بیشی ہو۔ سوال: اور ۲ تاریخ کے جلوس میں لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ جواب ۲ تاریخ کے جلوس میں لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مولانا اختر علی خاں اس جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ اس کا ایک حصہ اسمبلی ہال کے پیچھے سے کوپر روڈ سے آیا تھا۔ لیکن اس کا بڑا حصہ مال روڈ کے ساتھ ساتھ بڑھا۔ سوال:- کیا ۲۸ تاریخ کی گرفتاریوں کے بعد کوئی احتجاج، ہڑتال، جلسہ عام، جلوس اور گڑبڑ نہیں ہوئی؟ جواب:- جی ہاں۔ سوال:- کیا یہی وجہ تھی کہ آپ نے جلوس پر پابندی لگانے کے لئے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا؟ جواب:- اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا مشورہ نہ تو ۲۸ فروری کے اجلاس کے دوران میں نہ اس سے پیشتر کبھی دیا گیا۔ سوال:- دفعہ ۱۴۴ کے تحت عوام کے اجتماع پر پابندی عائد کرنے کا مسئلہ سب سے پہلے کب زیر بحث آیا؟ جواب:- ۲ مارچ کو۔ سوال:- کسی افسر نے اس سوال پر بحث کی تھی؟ جواب:- میں نے اپنے تحریری بیان میں اس کا اظہار کیا ہے کہ وہ لاہور ڈویژن کے کمشنر آئی جی پولیس، ہوم سیکرٹری ڈی آئی جی اور ایس۔ ایس پی تھے۔ سوال:- آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ۲۸ فروری اور یکم مارچ کو جلوس نکالنے کی ممانعت کر دی جاتی تو کیا ۲ تاریخ کو کوئی جلوس نکلتا؟ جواب:- یہ چیز یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ لاہور میں چھوٹے چھوٹے جلوس عموماً نکلا کرتے تھے۔ ۲۶ تاریخ کو اور اس سے پیشتر بھی جلوس نکلتے رہے ہیں۔ سوال:- کیا گرفتاریوں کے ساتھ بیک وقت دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیتے تو یہ بات مضرت رساں ثابت ہوتی؟ جواب:- اس سے شہری حقوق پر زد پڑتی۔ سوال:- اگر حکومت ایجی ٹیشن کے سرگرم حامیوں کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کرتی۔ تو آپ کو وجہ نظر آتی ہے کہ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ سے مظاہرین پر قابو پایا جا سکتا؟ جواب:- اس کا دارومدار حالات پر ہے۔ اگر بہت زیادہ مقبول لیڈروں کو گرفتار کر لیا جائے۔ تو اس کا ردعمل دفعہ ۱۴۴ کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کم اہمیت کے لوگوں کو گرفتار کیا جائے تو اس کا قطعاً کوئی ردعمل نہیں ہو سکتا اور اس طرح دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی ضرورت نہیں رہتی۔ سوال:- تو اس سے ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا سوال ۲۸ فروری کے اور یکم اور ۲ مارچ کے جلوسوں سے پہلے ہوم سیکرٹری یا چیف سیکرٹری کے ساتھ زیر بحث نہیں آیا؟ جواب:- ۲۸ فروری کو ہوم سیکرٹری، کمشنر، آئی۔ جی۔ پی۔ ڈی۔ آئی۔ جی اور ایس ایس پی تھے۔ اس مسئلہ پر بحث ہوئی تھی۔ ہم سب اس چیز کے حق میں تھے کہ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی ضرورت نہیں۔ سوال:- کیا یہ اسلئے تھا کہ ۲۸ فروری کو گرفتار ہونے والے لوگ معمولی حیثیت کے تھے؟ جواب:- جی ہاں۔ سوال:- کیا کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو معمولی حیثیت کے نہ تھے لیکن ۲۸ فروری کو ان کی گرفتاری کا حکم نہ دیا گیا؟ جواب جی نہیں۔ سوال:- کیا آپ کو اس مسئلہ کے متعلق عوام کے اضطراب اور احساسات کا علم تھا۔ جن کی وجہ سے گڑبڑ ہوئی؟ جواب:- جی ہاں احساسات کافی پھیل چکے تھے۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ ۲۸ فروری اور یکم مارچ کو گڑبڑ کے متعلق تشویش ہوتی۔ حالات اسی طرح تھے جیسے کہ اس سے پیشتر تاریخوں میں۔ سوال:- ان احساسات اور حکومت کی پالیسی سے باخبر ہوتے ہوئے آپ نے عام جگہوں پر دفعہ ۱۴۴ کے تحت اجتماع پر پابندی لگا کر اس فتنے کو روز اول ہی سے پھیلنے کی کیوں کوشش نہ کی خاص کر اس نقطۂ نظر سے کہ ماضی میں لاہور میں ایسے موقعوں پر دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوتا رہا ہے۔ جواب:- یہ میری ہی رائے نہ تھی بلکہ ہوم سیکرٹری کمشنر آئی جی پولیس۔ ڈی۔ آئی۔ جی اور دوسرے افسروں کی بھی یہی رائے تھی کہ یکم اور ۲ تاریخ کو دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ نہیں ہونا چاہیئے۔ گذشتہ ایک سال سے ایسے معمولی مواقع پر اس دفعہ کا نفاذ نہیں ہوا۔

جب عدالت کی طرف سے یہ دریافت کیا گیا کہ جو جلوس ۲۸ فروری کو چیرنگ کراس پر روکا گیا۔ اس میں کتنے لوگ شامل تھے تو گواہ نے ان کی تعداد تین یا چار سو کے لگ بھگ بتائی۔ سوال:- اور ان لوگوں کی تعداد کیا تھی جو تماشہ دیکھنے کیلئے جمع ہوئے؟

ج: اتنے ہی اور لوگ جمع ہو گئے ہوں گے۔ کیونکہ ٹریفک بالکل رُک گیا تھا۔ س: آپ نے فروری کے پہلے پندرھواڑے کے متعلق اپنی خفیہ رپورٹ میں تو تعداد چھ ہزار بتائی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ ج: یہ اس موقع پر جمع ہونے والے لوگوں کی تعداد کا زبانی اندازہ تھا۔ س: آپ نے اپنے تحریری بیان میں یکم مارچ کو مجسٹریٹوں کے فرائض بتاتے ہوئے کئی جلوسوں کا ذکر کیا ہے۔ کیا یہ بیان درست ہے؟ ج: جی ہاں! تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس دن صرف ایک ہی اہم جلوس نکلا جو انارکلی۔ ٹالنٹن مارکیٹ اور مال پر سے گذرا۔ س: کیا کسی چھوٹے جلوس سے تیس اشخاص کی گرفتاری ایک ناگزیر صورت حال کی مظہر نہیں؟ ج: جی نہیں۔

اس کے بعد گواہ پر مجلس احرار کے وکیل مسٹر مظہر علی اظہر کی جرح شروع ہوئی۔ س: آپ نے بتایا ہے کہ اکبری دروازہ کے باہر ایک جلسہ ہوا جس میں تقریباً پانچ سو اشخاص نے شرکت کی۔ بعد میں ۲۵ اشخاص کو ہار پہنا کر گرفتاری کے لئے جلوس کی صورت میں سجایا گیا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ انہیں سرکلر روڈ، انارکلی اور مال روڈ سے گذرنے کا موقع دے دیتے۔ اور جلوس نکلتے ہی گرفتار کر لیتے؟ ج: یہ رپورٹ بعد میں موصول ہونے والی اطلاع پر مبنی ہے۔ جلوسوں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ لہذا بےگناہ لوگوں کو اس وقت تک کوتوالی لے جانا مناسب نہیں تھا جب تک وہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

س: عدالت کی طرف سے: مولانا غلام دین اور تیسرے دوسرے اشخاص کب گرفتار کئے گئے تھے۔ اور انہوں نے کس جرم کا ارتکاب کیا تھا؟ ج: انہوں نے ٹریفک کو روکا تھا۔ اور امن شکنی پر مصر تھے۔ س: کس طرح۔ ج: ان سرکاری ملازمین کے خلاف تشدد استعمال کر کے جنہوں نے انہیں پبلک کے لئے ٹریفک کھلی کرنے کو کہا تھا۔ س: وہ کس قانون کے تحت گرفتار کئے گئے تھے؟ ج: دفعہ ۱۰۷ اور دفعہ ۱۵۱ کے ماتحت۔ س: عدالت میں ان کے مقدمات کا کیا بنا؟ ج: میں متعلقہ کاغذات دیکھے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا۔ س: ان کے مقدمات عدالت میں پیش بھی کئے گئے یا نہیں ج: میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ س: ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی حیثیت سے آپ کو علم ہونا چاہیئے کہ آیا ان لوگوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا یا نہیں؟ ج: مقدمات پولیس رپورٹ کے

تھی۔ چنانچہ معمول کے مطابق وہ عدالت میں ضرور لے جائے گئے ہوں گے۔ س: آپ نے اپنی خفیہ رپورٹ یا تحریری بیان میں یہ کیوں نہیں کہا۔ کہ وہ تشدد کی کاروائی کے مرتکب ہوئے؟ ج: میں نے اسے قابل ذکر خیال نہ کیا۔ س: جب آپ نے اپنے تحریری بیان میں ۲ر مارچ کے واقع کے سلسلہ میں یہ کہا کہ جلوس میں شامل ہونے والے لوگ تشدد پر مائل نظر آتے تھے۔ تو آپ نے یکم مارچ یا ۲۸ر فروری کے واقعات کے سلسلہ میں ایسا کیوں نہ کہا؟ ج: یکم مارچ کو جلوس اتنا بڑا نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنا چاہتے تھے۔ انہیں مولوی غلام دین پرامن رہنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ لیکن جلوس میں شامل لوگوں کا رجحان یہ نہیں تھا۔ کہ وہ سڑکیں خالی کریں۔ لہذا گرفتاریاں کرنی پڑیں۔ ۲ر مارچ کو جلوس قطعی طور پر متشددانہ تھا۔

س: انسپکٹر جنرل پولیس نے اپنے تحریری بیان میں کہا ہے۔ کہ مولوی غلام دین اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ نہیں چلا گیا۔ آپ کو اب یہ یاد آسکتا ہے کہ آیا ان لوگوں کے مقدمات عدالت میں گئے تھے یا نہیں۔ ج: جی نہیں۔ س: کیا یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں کو لاریوں میں ڈال کر لاہور سے بہت دور لے جا کر چھوڑ دیا گیا؟ ج: مجھے اس کا علم نہیں۔ س: کیا آپ کی رائے میں ان سے ایسا سلوک ہو سکتا تھا؟ ج: ایسی صورتوں میں بعض دفعہ یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ گواہ نے کہا۔ میری رائے یہ ہے۔ کہ اگر کسی اجتماع کو خلاف قانون قرار دیا جائے۔ تو مجسٹریٹ کو یہ اختیار ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی شخص کو عارضی طور پر کسی جگہ رکھے یا نظر بند کرے۔ اس مرحلہ پر میں ایسے لوگوں کو لاہور سے دور چھوڑ دینے کی کاروائی کی قانونی حیثیت کے متعلق کوئی رائے پیش نہیں کر سکتا۔ س: ۲۸ر فروری کو جس جگہ سے جلوس نکالا گیا۔ وہاں سے کوتوالی صرف ایک فرلانگ دور نہیں؟ ج: جی نہیں۔

س: کیا یہ حقیقت نہیں کہ ٹریفک میں رکاوٹ جلوس والوں نے پیدا نہیں کی تھی۔ بلکہ اس رکاوٹ کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ نے جلوس والوں کو چیرنگ کراس سے آگے نہ بڑھنے دیا؟ ج: جی نہیں۔ وہ خود وہاں ٹھہرے تھے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنا چاہتے تھے۔ س: عدالت کی طرف سے باہمی افہام و تفہیم سے؟ ج: جی نہیں اپنی خوشی سے۔

س: کیا اُس دن اور اس دن کے بعد آپ کی پالیسی یہ نہیں تھی۔ اور کیا آپ نے اپنے مجسٹریٹوں کو یہ ہدایت جاری نہیں کی تھیں۔ کہ جلوس والوں کو گورنمنٹ ہاؤس کی طرف جانے کی اجازت نہ دی جائے؟ ج: جی ہاں۔

وکیل کی طرف سے (مزید)

س: آپ نے اپنے تحریری بیان کے صفحہ ۲ پر لکھا: "کیونکہ لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس لئے اُمید تھی۔ کہ ایجی ٹیشن خود بخود بند ہو جائے گی"۔ کیا یہ آپ کی اپنی رائے تھی یا کسی اور نے آپ کو سوجھائی تھی؟ ج: یہ ہم سب کا خیال تھا۔ س: مولانا اختر علی کی معافی مانگنے کی خبر کس طرح فاش ہوئی؟ ج: مجھے اس کے فاش ہونے کا کچھ علم نہیں ہے۔ س: آپ نے اپنے تحریری بیان کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے۔ کہ جنرل آفیسر کمانڈنگ کو جو ہوم سیکرٹری نے خط لکھا تھا۔ اُس کی بنا پر آپ نے ایس۔ ایس پی سے پوچھا تھا۔ کہ کتنی فوج درکار ہوگی۔ مگر اس کا جواب کوئی نہیں آیا تھا۔ کیا اس کے بعد آپ نے اس معاملہ کے متعلق ایس۔ ایس۔ پی سے بات چیت کی تھی۔

اس مولوی کی ریکارڈ کی ہوئی تقریر نہیں سنی تھی؟ آپ نے مزید کہا کہ انہیں کبھی یہ اطلاع نہیں دی گئی۔ کہ مولوی محمد یوسف کو گولی ماری گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اُن کی گرفتاری کے وارنٹ جاری

نہیں کئے تھے۔ س:۔ کیا آپ کو اس بات کا علم ہوا تھا۔ کہ ایک اور مولوی کو جس کا نام محمد یوسف تھا۔ اور جو مریدکے کا رہنے والا تھا گرفتار کیا تھا۔ اور جیل میں دکھایا گیا تھا؟ ج:۔ یہ اتنی معمولی بات ہے۔ کہ میں یاد نہیں رکھ سکتا۔ س:۔ کیا آپ نے ڈی۔ ایس۔ پی کے قتل کے بعد یہ تجویز پیش نہیں کی تھی۔ کہ شہر کو فوج کے حوالے کر دیا جائے؟

ج:۔ جی نہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ میں شہر فوج کے حوالہ کر رہا ہوں۔ در اصل ہوا یہ تھا۔ کہ جب سول لائنز کے تھانہ میں سید فردوس شاہ کے قتل کی اطلاع آئی تھی۔ تو اس وقت ملٹری کا افسر رابطہ وہاں موجود تھا میں نے ہوم سیکرٹری اور آئی۔ جی سے رابطہ قائم کیا اور سول لائنز کے پولیس اسٹیشن پہنچے اور کوتوالی روانہ ہو گئے۔ میں نے سٹی مجسٹریٹ کو پہلے ہی وہاں بھیج دیا تھا۔ میں پیچھے رہا تاکہ چیف سیکرٹری کو بتا سکوں کہ کیا ہوا ہے۔ اور ان سے کہوں کہ فوج کے افسر رابطہ کو بھیجیں۔ تاکہ فوج کو وہ کوتوالی لے جائیں۔ کیونکہ یا یہ معاملہ آئی۔ جی کے نوٹس میں لائے تھے؟

ج:۔ جی نہیں۔ س:۔ کیا آپ ۳ر مارچ کو پر امن دن کہیں گے۔ جبکہ آپ نے اپنے تحریری بیان میں لکھا ہے۔ کہ اسی دن کچھ جلوس نکلے تھے؟ ج:۔ جی ہاں۔ س:۔ کیا یہ درست ہے۔ کہ اسی دن رضاکاروں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا تھا۔ اور ان پر لاٹھی چارج کیا گیا تھا؟ ج:۔ جی نہیں۔ ایسی بات میرے علم نہیں ہے۔ س:۔ آپ نے [illegible] ہے کہ مولوی محمد یوسف نے ہم تاریخ کو تقریر کی تھی کیا میں آپ کو یاد دلاؤں کہ مولوی سلیم اللہ نے بھی اس دن تقریر کی تھی؟ ج:۔ میں نہیں جانتا۔ س:۔ کیا مولوی سلیم اللہ کا کیس آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔ جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اقبال جرم کیا تھا۔ اور انہیں مولانا عبدالستار نیازی کے مقدمہ میں استغاثہ کے گواہ کی حیثیت سے پیش ہونا تھا؟ ج:۔ جی نہیں۔ س:۔ یقیناً آپ کو اس مولوی کا نام جاننا چاہیئے۔ جس نے قرآن شریف کے وہ صفحات دکھائے تھے۔ جو کہا جاتا ہے۔ بیہتہ طور پر کسی پولیس افسر کے ٹھوکر مارنے سے بکھر گئے تھے؟

ج:۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں۔ کہ وہ سیالکوٹ کا رہنے والا تھا۔

وکیل کی مزید جرح پر آپ نے کہا کہ آپ نے شاید شہر کے اندر کارروائی کے لئے فوج کی ضرورت پڑے جنرل آفیسر کمانڈنگ سے تو میں مل نہ سکا۔ مگر افسر رابطہ آ گئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ شاید مسجد وزیر خان فوج کے حوالے کرنا پڑے۔ اس لئے وہ فوج کو کوتوالی لے چلیں پھر میں کوتوالی پہنچا۔ اور جنرل آفیسر کمانڈنگ سے جو وہاں پہلے پہنچ چکے تھے صورت حال پر بات چیت کی۔ اس کے بعد میں کرفیو آرڈر کا مسودہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ س:۔ آئی۔ جی نے اپنے تحریری بیان میں کہا ہے۔ کہ جونہی آپ نے ڈی۔ ایس۔ پی کے قتل کی خبر سنی۔ آپ نے فیصلہ کیا۔ کہ صورت حال کو فوج کے حوالہ کر دیا جائے۔ اور اس پر آئی۔ جی نے آپ کو بتایا تھا کہ آپ کا حکم درست نہیں تھا۔ اور یہ کہ فوج کو کنٹرول اپنے قبضے میں لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیا یہ درست ہے؟ جواب:۔ جی نہیں۔ سوال افسر رابطہ کا نام تھا؟ جواب:۔ میرا خیال ہے کہ میں نے غلطی سے ان کا نام اپنے تحریری بیان میں کپتان نذیر احمد لکھ دیا ہے۔ صحیح نام میجر یا کپتان عطا ہے۔ سوال:۔ آپ نے تحریری بیان میں لکھا ہے۔ کہ ڈی ایس۔ پی کو چھرا گھونپ دیا گیا تھا۔ اور چوک میں قتل کیا گیا تھا۔ آپ کو یہ اطلاع کہاں سے ملی تھی؟ جواب:۔ کوتوالی میں عموماً یہی کہا جا رہا تھا۔ بعد میں ایک خاص رپورٹ میں بھی میں نے یہی پڑھا تھا۔

سوال:۔ کیا آپ اس جگہ گئے تھے۔ جہاں ڈی ایس پی کو قتل کیا گیا تھا؟ جی نہیں۔ سوال:۔ کیا آپ وہاں جانا چاہتے تھے؟ میں وہاں جانا ضرور چاہتا تھا مگر چونکہ میں جنرل آفیسر کمانڈنگ کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا۔ اور پھر کرفیو آرڈر کا مسودہ تیار کرنے میں لگ گیا۔ اس لئے وہاں نہ جا سکا۔

سوال:۔ کیا اعلیٰ احکام میں سے کوئی وہاں گیا تھا؟ جواب:۔ جہاں تک میں جانتا ہوں وہاں کوئی نہیں گیا تھا۔ سوال:۔ کیا کوئی پولیس افسر وہاں گیا تھا؟

جواب:۔ جی نہیں۔ سوال یہ کس طرح ہوا کہ تمام افسر کوتوالی تو پہنچ گئے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی جائے قتل پر نہ گیا؟ جواب:۔ میں صرف اپنے متعلق کہہ سکتا ہوں۔ ڈی۔ ایس۔ پی کی قتل کی خبر ان کی موت کے بعد جلد از جلد سول لائنز کے پولیس اسٹیشن میں نہیں پہنچی تھی۔ جب میں کوتوالی پہنچا تو ان کی لاش وہاں آ چکی تھی۔ سوال:۔ لاش کو کوتوالی کون لایا تھا؟ جواب:۔ یہ اطلاع آئی تھی کہ لاش محمد شفیع بدمعاش لایا تھا۔ سوال:۔ کیا اس کے بعد آپ کو جائے قتل پر جانے کا کوئی وقت ملا؟ جواب:۔ جی نہیں۔ کیونکہ مجھے کوئی فرض سرانجام نہ دینا تھا۔ سوال کیا یہ امر واقع نہیں ہے کہ تمام افسر مسجد وزیر خان میں جانے سے اسلئے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کو جانی خطرہ نہ پہنچے۔ جواب:۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ سوال کیا صورت حال ایسی تھی کہ آپ اگر یہ چاہتے۔ تو مسجد وزیر خان میں بغیر کسی اندیشہ کے جا سکتے تھے؟ جواب میں وہاں ذاتی حفاظت کا بندوبست کرنے کے بعد جا سکتا تھا۔ پولیس وہاں یقیناً جا سکتی تھی۔ اور تحقیقات تھانے وقوعہ پر ہونا تھی۔

اس کے بعد مسٹر محمد حسین۔ ایس۔ پی سی آئی ڈی نے بیان کیا کہ ۵ر مارچ کی صبح کو ڈی۔ آئی [illegible] مسٹر عالم ملک حبیب اللہ اور وہ [illegible] وقوعہ پہ گئے تھے اور فسادی ان کو دیکھتے ہی بھاگ گئے تھے۔

سوال:۔ کیا آپ ہم تاریخ کو ڈی۔ ایس۔ پی کے قتل کے بعد محسوس کرتے تھے کہ شہر کے اندرونی حصہ پر سول حکام کا کنٹرول باقی نہیں ہے؟ جواب:۔ اس وقت ایسا خیال کرنے کی وجہ موجود نہ تھی کیونکہ اس سے پیشتر صورت حال پرسکون تھی۔

عدالت سے

سوال:۔ وزیر خان مسجد کی سرگرمیاں کب آپ کے نوٹس میں آئیں؟ جواب:۔ میں تاریخ تو نہیں بتا سکتا لیکن ایک مدت سے خطبوں کے ذریعے یہ سرگرمیاں جاری تھیں۔ جن میں ختم نبوت کا حوالہ دیا جاتا تھا۔ سوال:۔ وزیر خان مسجد میں ہجوم کے اکٹھے ہونے کی اطلاع کب آپ کے پاس پہنچی؟ جواب ۲۷ اور ۲۸ر فروری یا یکم مارچ کو، حقیقت میں یہ باہر کے لوگ تھے جو لاہور میں آئے ہوئے تھے اور اس کے علاوہ ان کے ٹھہرنے کے لئے جگہ نہیں تھی انہوں نے کہا کہ انہوں نے اس اجتماع کو تشویشناک نہ سمجھا۔ انہوں نے کہا کہ ۳ر مارچ کو یہ اجتماع غیر قانونی نوعیت کی حد تک نہیں پہنچا تھا۔ سوال:۔ کیا عوام نے وہاں اکٹھے ہوتے وقت دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی نہیں کی تھی؟ جواب:۔ میں ایسا خیال نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ مسجد کے اندر تھا اور ان کا رویہ نامناسب نہیں تھا۔ سوال:۔ کیا آپ نے ڈی۔ ایس۔ پی کے قتل سے پیشتر۔ . . . . اس مسجد میں جانا مناسب نہ سمجھا جواب:۔ نہیں کیونکہ اس سلسلہ میں وہاں میری کوئی ڈیوٹی نہیں تھی۔ لیکن میرے سٹی مجسٹریٹ، ڈی۔ ایس۔ پی مجھے مسلسل مطلع کیا کرتے تھے۔ (باقی)

(بقیہ لیڈ صفحہ ۲)

کرتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھتے ہوئے سچے طور پر اور پورے اخلاص سے اس بات کے لئے زور لگا دیں گے کہ اس سال تحریک جدید کے وعدے پچھلے سال کے وعدوں سے کم نہ رہیں۔ بلکہ ان سے بہت آگے نکل جائیں۔"

(المصلح ۲۸ر جنوری ۱۹۵۴ء)

ہم نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ سے یہ طویل اقتباس اس لئے دیا ہے تاکہ وہ باتیں احباب کے روبرو دوبارہ آ جائیں۔ جو اس ہفتہ میں کی جانی ہیں۔ تاکہ جماعتوں کے کارکن کم از کم اس حد تک جدوجہد ضرور کریں جس حد تک حضور نے کرنے کا ارشاد فرمایا ہے

یاد رہے کہ یہ ہفتہ تمام جماعت کے احباب کے لئے سخت جدوجہد کا وقت ہے۔ اور جماعتوں کے عہدہ داروں اور کارکنوں کا ہی یہ فرض نہیں کہ وہ پوری پوری جدوجہد کریں بلکہ ہر احمدی کا فرض ہے کہ نہ صرف وہ اپنا وعدہ کرے بلکہ اپنے عزیزوں دوستوں اور ملاقاتیوں سے بھی وعدہ لے۔ جلسوں کے علاوہ ہر ایک احمدی اپنے دوسرے وقت میں سے بھی اس کام میں صرف کرے۔ اور تحریک جدید کو کامیاب بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مختصراً ہفتہ منانے کے لئے چند اشارے فرما دیئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی احباب موقعہ اور مقام کے لحاظ سے دوسرے مؤثر طریقے استعمال کر سکتے ہیں۔ اصل مقصد یہ ہے کہ جماعت کا کوئی غریب سے غریب فرد ایسا نہ رہے۔ جو کچھ نہ کچھ وعدہ نہ کرے۔ اور کوئی امیر ایسا نہ رہے۔ جو اپنی آمدن کے مطابق وعدہ نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا تکلیف کہا جا سکتا ہے تو ہمیں خیال کرنا چاہیئے کہ "تحریک جدید" کے چندہ کی تکلیف سال بھر میں صرف ایک ہی دفعہ کی بات ہے۔ اگر ہم دین کے لئے جس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ہم کھڑا ہونے کے دعویدار ہیں اتنی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ تو ہمارے لئے احمدی کہلانا کسی طرح زیبا نہیں سمجھا جا سکتا۔